غیر مسلموں سے ازدواجی تعلقات کی شرعی حیثیت

﴿سید جلال الدین عمری﴾

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے قائم ہوں، تاکہ آپس میں جو تہذیبی دوری اور بیگانگی ہے وہ ختم ہو اور وہ ایک دوسرے کے کلچر اور تہذیب سے قریب ہوں اور اسے اختیار کر سکیں۔ اسلام اس اندازِ فکر کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک جن مذاہب کے عقائد اور نظریات میں بنیادی اختلاف ہے ان کے ماننے والوں کا ازدواجی رشتوں میں جڑنا صحیح نہیں ہے۔ ان رشتوں کو اس نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔

اسلام کے اس مؤقف پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے، ان کے ساتھ معاشی اور سماجی تعلقات کو جائز قرار دیا ہے، مختلف امور و مسائل میں ان سے تعاون کو روا رکھا ہے تو پھر شادی بیاہ کے معاملے میں اس سخت رویہ کے لئے وجہ جواز کیا ہے؟ کیا یہ اس کی مجموعی تعلیمات سے متضاد طرزِ عمل نہیں ہے؟ کیا اس سے تعصب، عناد اور دوری نہ پیدا ہو گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض خام خیالی ہے کہ بین الملّتی یا بین المذاہب شادیاں تہذیبی قربت کا ذریعہ ہیں۔ اس طرح کے سطحی اقدامات سے قربت نہیں پیدا ہوتی، اس کے لئے ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر غور کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ اسلام کا مؤقف معقول اور مدلل بھی ہے اور عملی بھی۔ اسے سمجھنے کے لئے بعض بنیادی باتوں

☆ عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃً مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاءً ☆

کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ازدواجی زندگی میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے، یہ فضا وقتی اور ہنگامی طور پر نہیں بلکہ مستقل اور پائیدار ہونی چاہئے تاکہ وہ مل جل کر گھر اور خاندان کی بہتر تعمیر کر سکیں اور اسے صحیح رخ دے سکیں۔

بعض اوقات کسی ہنگامی محرک، وقتی جوش یا جنسی جذبہ کے تحت ازدواجی رشتہ قائم ہو جاتا ہے لیکن اس میں استحکام اور پائیداری نہیں ہوتی۔ اس طرح کے رشتے بالعموم تلخی اور ناکامی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مغرب اس بھیانک تجربہ سے گزر رہا ہے۔ خوشگوار ازدواجی زندگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ میاں بیوی کے مابین محبت کا مضبوط رشتہ پایا جائے اور اسے کمزور کرنے والے عوامل اور نزاع و اختلاف کو ابھارنے والے اسباب موجود نہ ہوں، ورنہ دونوں کی زندگی نفسیاتی اور عملی الجھنوں کا شکار ہوگی اور وہ یکسوئی کے ساتھ ازدواجی زندگی کے مقاصد پورے نہ کر سکیں گے۔ دین و مذہب اور عقیدے کا اختلاف بنیادی اختلاف ہے جو زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ اس اختلاف کو میاں بیوی کا نازک رشتہ زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتا۔ دیر سویر یہ ٹوٹے گا اور اس کے ٹوٹنے سے خاندان کا پوراشیرازہ بکھر جائے گا۔ یہ کوئی معمولی نقصان نہیں بلکہ بہت بڑا نقصان ہے جو پورے معاشرے کو اٹھانا پڑے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جن میں میاں بیوی نے مذہبی اختلاف کے باوجود خوشگوار زندگی گزاری اور ان کے تعلقات میں کوئی خرابی نہیں دیکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ رشتے ہیں جن میں طرفین میں سے کسی کا کوئی عقیدہ اور مذہب نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ایک بے جان روایت کی ہوتی ہے۔ اس سے عملاً انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جب طرفین کا ذہن مذہب اور اس کے تقاضوں سے خالی ہو تو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ جس کا کوئی عقیدہ و مذہب ہے اور اس کی صحت و صداقت پر وہ مطمئن ہے تو اس کی فطری خواہش ہوگی اور ہونی چاہئے کہ اس کا شریکِ حیات بھی اسی عقیدہ اور فکر کا حامل ہو۔ فریقین میں عقیدہ کا اختلاف خاندانی زندگی کو سکون

سے محروم کر سکتا ہے۔

آیئے اس مسئلے پر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے بھی غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سے کیا الجھنیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لئے اس کے مجموعی مزاج اور اس کے اخلاقی اور قانونی تقاضوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اسی سے اس کا موقف سمجھا جا سکتا ہے۔

اسلام خاص قسم کی معاشرت وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اس نے طہارت اور پاکی صفائی، غذا، لباس اور وضع قطع سے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ بعض چیزیں اس کے نزدیک حلال اور طیب ہیں تو بعض چیزیں حرام اور ناپاک ہیں، رشتہ داروں کے درمیان اس نے محرم اور نامحرم اور قریب اور دور کا فرق رکھا ہے اور اسی بنیاد پر ان سے شادی بیاہ حجاب اور عدم حجاب کے احکام بیان کئے ہیں۔ اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک خوشی اور غم کے تمام مواقع کے لئے اس کی ہدایات ہیں۔ ان سب کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ خاندانی زندگی سے ہے۔ یہ قدم قدم پر عورت اور مرد کے باہم تعاون کا مطالبہ کرتے ہیں- اس کے بغیر وہ تہذیب اور معاشرت وجود میں نہیں آسکتی جو اسلام کو مطلوب ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تعاون کے بغیر اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کی بھی، جو پورے دین کی بنیاد ہیں پابندی ممکن نہیں ہے۔ ایمان اور عقیدے کے اختلاف کے ساتھ اس راہ میں بھرپور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلق کے نتیجے میں جو اولاد ہو وہ ذُریۂ طیبہ' ہو اور ایک نسل سے دوسری نسل تک خدا کا دین، اس سے محبت اور تعلق اور اس کی عبادت و اطاعت کا جذبہ منتقل ہوتا رہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ والدین کے قلوب روحِ ایمان سے سرشار ہوں۔ ان کی شب و روز کی زندگی نیکی اور تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی ہو اور وہ شعوری طور پر اس بات کی کوشش کریں کہ اولاد کے اندر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور پروان چڑھے، دینی حمیت سے اس کا سینہ سرشار ہو اور وہ دین کو اپنے لئے سب سے بڑا سرمایہ سمجھنے اور کسی حال میں اس سے دست بردار ہونے کے لئے

آمادہ نہ ہو۔ یہ چیز ماں باپ کی مشترکہ اور مسلسل جدوجہد چاہتی ہے۔ اختلافِ دین کے ساتھ یہ مہم انجام نہیں پا سکتی۔ ماں باپ کی زندگی اولاد کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ یہ نمونہ بہتر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں کا سمتِ سفر صحیح بھی ہو اور وہ اسی پر گامزن بھی رہیں۔ ماں باپ اگر بے دین یا دین سے بے تعلق ہوں تو اولاد دیندار بن کر نہیں ابھر سکتی۔

اسلام جس ازدواجی تعلق کو صحیح نہیں تسلیم کرتا اس کی بنیاد پر حقوق اور ذمہ داریوں کا سوال بھی اس کے نزدیک بے معنٰی ہے۔ جب کوئی عورت اسلامی قانون کی رو سے کسی کی بیوی اور وہ اس کا شوہر نہیں ہے تو دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ عورت نہ تو اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ مرد کے مطالبات کی تعمیل اس کے لئے لازمی ہوگی۔ اس تعلق کے نتیجے میں جو اولاد ہوگی وہ بھی اپنے نان و نفقہ، تعلیم و تربیت جیسے قانونی حقوق سے محروم ہوگی، ان کے درمیان قانونِ وراثت نافذ نہیں ہوگا۔ اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اس ناجائز تعلق پر عورت اور مرد دونوں پر اسلامی ریاست میں حدِ شرعی نافذ ہوگی۔

اہلِ شرک سے ازدواجی تعلقات کی ممانعت :

مشرکین سے ازدواجی تعلقات کے بارے میں قرآن مجید نے صریح الفاظ میں ممانعت کی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ج وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ O (۱)

مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے

۱۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۱،

آئیں۔ مومن لونڈی (آزد) مشرک عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو اچھی لگے اور مشرکین جب تک ایمان نہ لے آئیں ان سے اپنی عورتوں کا نکاح مت کرو اور مومن غلام (آزاد) مشرک سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ آئے۔ یہ لوگ نارِ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے احکام کھول کھول کر لوگوں کو بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے اور مسلمان عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں دینے سے صاف منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی مشرکہ اگر حسین و جمیل، صاحبِ ثروت اور اعلیٰ حسب و نسب والی ہے تو بھی اس کے مقابلے میں ایک مسلمان باندی بہتر ہے خواہ اسے ان میں سے بیشتر چیزیں حاصل نہ ہوں۔ اسی طرح ایک مشرک کے مقابلے میں مسلمان غلام اچھا ہے چاہے مادی لحاظ سے وہ مشرک سے کم تر ہی کیوں نہ ہو۔

آیت کے آخر میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مناکحت کے عدم جواز کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ شرک اور توحید دو متضاد تصورات ہیں۔ دونوں کی راہیں جدا ہیں۔ مشرکین دینِ شرک کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اسلام توحید کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک شرک کا راستہ تباہی کا راستہ ہے جو جہنم تک انسان کو پہنچاتا ہے اور اسلام سے دنیا اور آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان جہاں عقیدے کا یہ زبردست فرق پایا جائے وہاں ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میاں بیوی میں سے ایک کی زندگی مشرکانہ تصورات پر مبنی ہو اور دوسرا توحید کی راہ پر چلنا چاہے تو قدم قدم پر تصادم ہوگا اور گھر کا نظم اور سکون باقی نہیں رہ سکے گا۔

صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ ممتحنہ ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں کہا گیا کہ مکہ میں جو مسلمان عورتیں کفار کے نکاح میں ہیں وہ

وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں تو انہیں دوبارہ مکہ نہ بھیجو اس لئے کہ ان کے ازدواجی رشتے ختم ہوگئے ہیں۔(۱)

ارشاد ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ۔(۲)

نہ یہ مسلمان عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مردان مسلمان عورتوں کے لئے۔

اس فقرہ کے تحت حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هٰذه الاٰية هی التی حرمت المسلمات علی المشركين وقد كان جائزًا فی ابتداء الاسلام ان يتزوج المشرك المومنة۔(۳)

یہی آیت ہے جس نے مسلمان عورتوں کے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا۔ آغاز اسلام میں مشرک کا مومنہ سے شادی کرنا جائز تھا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جدائی ثابت ہے اور جو نکاح ہو چکے ہیں وہ ختم ہوگئے۔ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار حرمت اور قطع تعلق پر زور دینے اور اسے مؤکد کرنے کے لئے ہو۔(۴)

اسی آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ مسلمان اپنی کافر بیویوں کو (جو مکہ میں رہ رہی

۱۔ اس آیت کا ایک خاص پس منظر ہے اور اس سے متعلق بعض قانونی مباحث ہیں۔ ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید جلال الدین عمری، کی کتاب ''مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات، تحقیقات اسلامی، اپریل جون ۱۹۹۶ء،

۲۔ سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰،

۳۔ ابن کثیر، تفسیر: ۳۵۱/۴،

۴۔ آلوسی، روح المعانی ج۲۸/ ص۷۶،

تھیں) چھوڑ دیں۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۔ (۱)

کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں مت روکے رکھو۔

امام نخعی اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وکان الکفار یتزوجون المسلمات والسلمون یتز وجون المشرکات ثم نسخ ذلک فی ھذہ الا یۃ۔ (۲)

کفار مسلمان عورتوں سے اور مسلمان مشرک عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔ اس آیت میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔

علامہ ابن جریر طبری آیت کے اس فقرے کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ھٰذانھی من اللّٰہ للمومنین عن الاقدام علی نکاح النساء المشرکات من اھل الاوثان وامرلھن بفرا قھن۔ (۳)

اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو مشرک عورتوں سے جو بت پرست ہیں نکاح کا اقدام کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

دورِ صحابہؓ میں اس پر عمل درآمد کی مثالیں:

اس حکم پر جس طرح عمل ہوا اس کا ذکر امام زہری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فطلق المومنون حسین انزلت ھذہ الآیۃ کل امراۃ کافرۃ کانت تحت رجل منھم۔ (۴)

۱۔ سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰،

۲۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۱۸/ ۶۵،

۳۔ ابن جریر طبری، تفسیر: جز ۲۸، ص ۴۷،

۴۔ ایضاً،

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے ہر اس کافر عورت کو جو
ان میں سے کسی کے عقد میں تھی طلاق دے دی۔

اس حکم کے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکہ ہی میں مقیم تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک قریبہ بنت ابوامیہ تھی، جس کا نکاح حضرت معاویہؓ سے ہوا جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جرول الخزاعی تھی، جس سے اسی کے خاندان کے ایک شخص ابوجہم بن حذیفہ بن غانم نے شادی کرلی۔(۱)

حضرت عیاض بن غنمؓ نے اپنی بیوی ام الحکم بنت ابوسفیان کو طلاق دی، ان سے عبداللہ بن عثمان ثقفی نے شادی کرلی۔(۲)

حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اروی بنتِ ربیعہ کو طلاق دی، بعد میں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص سے ان کا نکاح ہوا۔(۳)

جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور جن کے شوہر کافر تھے ان سے ان کا ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔

سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہؓ، روایات میں آتا ہے کہ حدیبیہ میں معاہدہ صلح کی کتابت جیسے ہی مکمل ہوئی وہ خدمت میں پہنچیں تو ان کے شوہر بھی جن کا نام مسافر مخزومی یا صیفی بن الراہب تھا۔ پہنچ گئے اور کہا کہ میری بیوی کو واپس بھیجئے اس لئے کہ معاہدہ کی شرائط

۱۔ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اہل الحرب، ابن ہشام، سیرۃ النبی ﷺ: ۳/۷۷ ۳، طبری، تاریخ الرسل والملوک ۲/۶۴۰، اس سلسلے کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فتح الباری: ۹/۹،

۲۔ بخاری، کتاب الطلاق، باب نکاح من اسلم من المشرکات و عدتہن، ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب علی ہامش الاصابہ لابن حجر: ۴/۴۴۵،

۳۔ ابن حجر، فتح الباری: ۹/۴۱۹، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۱۸/۶۶،

میں یہ داخل ہے اور ابھی کتاب کی روشنائی خشک بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد سورۂ ممتحنہ کی آیت نازل ہوئی اور بقول زمخشری معاہدہ میں جو اجمال تھا اسے اس نے کھول دیا۔ آپ نے انہیں واپس نہیں بھیجا۔ مدینہ میں ان کی شادی حضرت عمرؓ سے ہوئی۔(۱)

امیمہ بنت بشرؓ :اسلام لانے کے بعد یہ اپنے کافر شوہر حسان بن دحداح اور طبری کی روایت کے مطابق ثابت بن دحداح سے فرار ہو کر مدینہ پہنچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتے کو ختم کر کے سہل بن حنیف سے ان کا نکاح کر دیا، جن سے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن سہل ہیں۔ روایت میں ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت ان کے سلسلے میں نازل ہوئی۔(۲)

اس طرح کی بعض اور خواتین کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان سے متعلق تفصیلات میں اختلاف ہے اس لئے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔(۳)

اھلِ کتاب سے نکاح کا جواز (۴):

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اسلام نے شادی بیاہ کے معاملے میں تمام مذاہب کو

۱۔ زمخشری، الکشاف: ۴/ ۹۳، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۱۸/ ۶۱، ابن حجر، فتح الباری، ۵/ ۳۴۸،الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/ ۳۲۵،

۲۔ طبری، تفسیر، جز ۲۸ ص ۴۴، ابن حجر، فتح الباری: ۵/ ۳۴۸، علامہ ابن اثیر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امیمہ بنت بشر کا تعلق انصار کے خاندان بنو عمرو بن عوف سے تھا اور آیت مہاجرین کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ اسد الغابہ: ۷/ ۲۵، حافظ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے امیمہ بنت بشر کے شوہر انصار سے متعلق نہ ہوں، وہ ان کو مکہ منتقل کر کے لے گئے ہوں اور پھر وہ وہاں سے مدینہ آئی ہوں، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/ ۲۳۹،

۳۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/ ۳۴۸،

۴۔ اہلِ کتاب سے نکاح کے مسئلے پر سید جلال الدین عمری نے اپنے مقالے ”مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات“ مطبوعہ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی جولائی ستمبر ۱۹۹۶ء میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

☆ جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہو اسے ترجیح حاصل ہوگی ☆

ایک صف میں رکھا ہے یا ان میں فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس معاملہ میں اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب کے درمیان فرق کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں اس نے مشرکین سے ازدواجی تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے وہیں اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصِنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ O (۱)

(تمہارے لئے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں کی پاک دامن عورتیں (۲) اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرو، انہیں قید نکاح میں لاؤ، بدکاری نہ کرو۔ (یاد رکھو) جو شخص ایمان کا انکار کردے اس کا عمل رائیگاں گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح شریف مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح شریف اہلِ کتاب سے بھی نکاح کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے درمیان عقائد کا بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہیں، اصولاً توحید کے بھی قائل ہیں۔ وحی و رسالت کو تسلیم کرتے ہیں، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کا بھی تصور رکھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں انحراف بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کوئی عورت کسی مسلمان کے حبالۂ عقد میں آئے تو اس طرح کی دوری نہیں محسوس کریں گے جس طرح کی دوری کسی مشرک عورت سے مسلمان کے نکاح کی

۱۔ سورۂ المائدہ آیت ۵،

۲۔ محصنات کا ترجمہ بالعموم پاک دامن عورتیں کیا گیا ہے۔ اس کے معنی آزاد عورتوں کے بھی لئے گئے ہیں۔

صورت میں پائی جاسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اہلِ کتاب مشرکین کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان کے اندر کسی نہ کسی نوعیت کا شرک نہیں پایا جاتا یا یہ کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں؟ اگر ان میں بھی شرک ہے تو پھر سورۂ مائدہ کے حکم کی نوعیت کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے سورۂ بقرہ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت کی گئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت کے ذریعے اہلِ کتاب کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔(۱)

یہی بات متعدد تابعین نے کہی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری ان آراء کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں جن مشرکات کا ذکر ہے اُس میں اہلِ کتاب کی عورتیں نہیں آتیں۔ ان سے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ یہی حضرت قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔(۲)

قرآن مجید نے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی مسلمان عورت اہلِ کتاب میں سے کسی کے عقد میں چلی جائے۔ یہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نتزوج نساء اھل الکتب ولا یتزوجون نساءنا۔ (۳)

ہم اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کریں گے لیکن ہماری عورتوں سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی۔

ان دلائل کی بناء پر جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح جائز ہے بلکہ بعض اصحاب علم نے تو لکھا ہے کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۴/ ۳۶۲، تحقیق محمود محمد شاکر،

۲۔ ایضاً، ص ۳۶۵،

۳۔اس حدیث میں کسی قدر ضعف ہے لیکن قابل احتجاج ہے۔ طبری، جامع البیان: ۴/ ۳۶۷، حاشیہ ۲

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اہلِ کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن المنذرؒ فرماتے ہیں. کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحاب میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ خلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت طلحہؓ، جارود بن المعلّی اور اذینۃ العبدی نے اہلِ کتاب کی عوتوں سے نکاح کیا ہے۔ یہی بات تمام اہلِ علم نے کہی ہے۔ البتہ شیعہ میں فرقہ امامیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ ممتحنہ کی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔(۱)

صحابۂ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب ان سے یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے:

ان اللّٰہ حرم المشرکات علی المومنین ولا اعلم من الا شراك شیئًا اکبر من ان تقول المرأۃ ربھا عیسیٰ و ھو عبد من عباداللّٰہ۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے مشرکات کو مومنین کے لئے حرام ٹھہرایا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا شرک کوئی اور ہوسکتا ہے کہ عورت کہے

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۵۴۵،

۲۔ بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللّٰہ و لا تنکحوا المشرکت، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ تابعین میں محمد بن الحنفیہؒ، اور شیعوں میں فرقہ زیدیہ کے امام ہادی نے بھی اہل کتاب سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) اس رائے کی کمزوری کے لئے ملاحظہ ہو، سید جلال الدین عمری کا مذکورہ بالا مضمون، ”مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات، تحقیقات اسلامی، جولائی، ستمبر ۱۹۹۶ء

☆ یکرہ الایثار بالقرب ☆ عبادت میں ایثار مکروہ ہے ☆

کہ عیسیٰؑ اس کے رب ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔

احتیاط پسندیدہ ہے:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح پر حضرت عمرؓ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت شقیق کی (صحیح سند کے ساتھ) روایت ہے: کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں میں اسے چھوڑ دوں، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

لا ازعم انها حرام ولكن اخاف ان تعاطوا المومسات منهن۔ (۱)

میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے نکاح نہ کرنے لگو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کے تو قائل تھے کہ اہلِ کتاب سے نکاح جائز ہے لیکن انہیں اندیشہ تھا کہ اس پر عمل ہو تو ان کی صالح عورتیں ہی نہیں ان کی غلط کار عورتیں بھی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی۔ اس اندیشہ کی بنیادیں غالباً دو تھیں۔ ایک یہ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھے۔ اس حالت میں ان سے ازدواجی رشتے مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا سبب بن سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے عفیف اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ شاید یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس کی معلومات کا کوئی اطمینان بخش ذریعہ نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی بات صحیح ہے کہ وہ اصولاً اہلِ کتاب سے نکاح کے جواز کے قائل تھے۔ لیکن مسلم معاشرہ میں اس کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔

۱۔ طبری، جامعہ البیان: ۴/ ۳۶۶۔۳۶۷، نیز ملاحصہ ہو قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۳/ ۶۸،